عیدالاضحیٰ

شوال کے مہینے کی پہلی تاریخ کو عیدالفطر اور ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو عیدالاضحیٰ یعنی قربانی کی عید منائی جاتی ہے۔ یہ دونوں دن اسلام میں خوشی کے دن ہیں، جن میں دو دو رکعت نماز بطور شکر کے پڑھی جاتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں اہل مدینہ کے لیے دو دن خوشی کے مقرر تھے جن میں وہ لہو ولعب میں مشغول ہوتے تھے اور خوشیاں منایا کرتے تھے۔ان میں سے ایک دن ''نوروز'' کا تھا اور دوسرا دن ''مہرجان'' کا۔نوروز کے دن آفتاب برج حمل میں جاتا ہے اور مہرجان کے دن برج میزان میں داخل ہوتا ہے۔ان دونوں دنوں میں آب وہوا چونکہ معتدل ہوتی ہے اور رات دن برابر ہوتے ہیں، اس لیے ان دنوں کو لوگوں نے خوشی منانے کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ جب اہل مدینہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں ان دنوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان دنوں سے بہتر دن عنایت فرمائے ہیں، تم عیدین کے ان بابرکت دنوں میں خوشی منا سکتے ہو۔

عیدالاضحیٰ یعنی قربانی کی عید کا فلسفہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خواب کو حکم خداوندی سمجھتے ہوئے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے۔سورۂ صافات میں ہے:

> ''پس جب وہ اس کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا اس نے کہا، اے میرے بیٹے، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں تو غور کر لو تمھاری کیا رائے ہے۔اس نے جواب دیا کہ اے میرے باپ، آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس کی تعمیل کیجیے۔آپ ان شاء اللہ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔پس جب دونوں نے اپنے تئیں اپنے رب کے حوالے کر دیا اور ابراہیم نے اس کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا اور ہم نے اس کو آواز دی: اے ابراہیم، بس، تم نے خواب سچ کر دکھایا۔بے شک ہم خوب کاروں کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں۔بے شک یہ کھلا ہوا امتحان تھا اور ہم نے اس کی ملت پر پچھلوں میں ایک گروہ کو چھوڑا۔سلامتی ہو ابراہیم پر اسی طرح ہم خوب کاروں کو صلہ دیتے ہیں۔'' (۱۰۲۔۱۱۰)

حضرت ابراہیم کی اس امتحان میں کامیابی کوئی معمولی کامیابی نہیں ہے۔اس کی تحسین اللہ تعالیٰ نے ''قد صدقت الرؤیا'' کے شان دار الفاظ سے کی۔ہم مسلمان اپنے جد امجد کی اپنے رب کے حضور تسلیم ورضا کی علامتی پیروی میں ہر سال

اپنی استطاعت کے مطابق قربانی کرتے ہیں۔ اس موقع پر یہ لازم ہے کہ اپنے رب کے آگے تسلیم ورضا کے تجدید عہد کے لیے ہم شعوری طور پر ایسا کریں۔

عیدالفطر کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم طاق عدد میں کھجوریں کھاتے تھے، البتہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے بعد کچھ تناول فرماتے، کیونکہ غربا و مساکین کو گوشت تو قربانی کے بعد ملتا ہے، اس لیے نبی کریم خود بھی کھانے پینے میں تاخیر کرتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرے کے پس ماندہ طبقے کی عزت و احترام اور دل جوئی اسلام کی اولین ترجیح ہے۔

احادیث نبوی کی روشنی میں ہم نماز عید اور قربانی کے بارے میں ضروری باتیں یہاں درج کر رہے ہیں:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے تو واپس دوسرے راستے سے آتے تھے۔'' (دارمی)

عیدگاہ جاتے ہوئے راستے میں تکبیر یعنی 'اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد' پڑھتے رہنا چاہیے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عبداللہ سے روایت ہے:

''نہ عیدالفطر کی نماز کی اذان دی جاتی ہے اور نہ بقرعید کی نماز کی۔'' (مسلم)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عیدین کی نماز دو رکعت ہے جس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا پہلی رکعت میں تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور ثنا پڑھ کر تین تکبیریں کہے، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ پڑھے۔ دوسری رکعت میں رکوع میں جانے سے پہلے تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے اور دوسری رکعت مکمل کر لے۔ عیدین کی نماز میں خطبہ نماز کی ادائیگی کے بعد ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں شریک ہونے کی بہت تلقین کی ہے اور کسی عذر کے لاحق ہونے کی صورت میں فرمایا کہ کم از کم خطبہ ہی سن لیا کرو، اس طرح دین کے بارے میں آگہی پیدا ہوتی ہے۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں:

''میں عید کے دن حضور اکرم کے ہمراہ نماز میں شریک ہوا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان وتکبیر کے بغیر خطبہ سے پہلے نماز شروع فرمائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو (خطبہ کے لیے) حضرت بلال کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح بیان فرمائی۔ لوگوں کو نصیحت کی اور انھیں عذاب وثواب (کے احکام) یاد دلائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کی ترغیب دلائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی جماعت کی طرف متوجہ ہوئے حضرت بلال بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے عورتوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا، ان کو نصیحت کی اور انھیں عذاب وثواب (کے احکام) یاد دلائے۔'' (نسائی)

قربانی چونکہ خدا کے سامنے تسلیم ورضا اور اس کی اطاعت کا علامتی اظہار ہے، اس لیے ان احساسات کو شعوری طور پر

الفاظ میں بھی ادا کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

''اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، بلکہ اس کو صرف تمھارا تقوٰی پہنچتا ہے۔'' (الحج ۲۲: ۲۲۔۳۷)

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے دن دو دنبے ذبح کرنا چاہے۔ آپ نے ان کا رخ قبلہ کی طرف کیا اور یہ دعا پڑھی:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهیم حنیفاً وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریك له وبذلك امرت وانا من المسلمین اللهم منك ولك . (ابوداؤد)

''میں اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس حال میں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں جو توحید کو ماننے والے تھے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ بلاشبہ میری نماز، میری تمام عبادتیں، میری زندگی، اور میری موت (سب کچھ) اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمان ہوں۔ اے اللہ یہ قربانی تیری عطا سے ہے اور خالص تیری ہی رضا کے لیے ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اپنی استطاعت کے مطابق قربانی کے لیے بہترین جانور کا انتخاب کرنا چاہیے۔ حضرت علی فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم (قربانی کے جانور کی) آنکھ اور کان کو اچھی طرح دیکھ لیں (کہ ایسا کوئی عیب اور نقص نہ ہو جس کی وجہ سے قربانی درست نہ ہو)۔'' (ترمذی)

عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے جانور کو نماز کی ادائیگی کے بعد ہی ذبح کرنا چاہیے، نماز سے پہلے جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سلسلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت ہے:

''حضرت جندب ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں عید قربان کے موقع پر نبی کریم کے ساتھ (عیدگاہ) حاضر ہوا، ابھی آپ نماز اور خطبہ سے پوری طرح فارغ نہیں ہوئے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ قربانی کا گوشت رکھا ہے اور نماز پڑھنے سے پہلے ہی قربانی ہوگئی ہے، آپ نے فرمایا کہ جس نے قبل اس کے کہ نماز پڑھے، (جانور) ذبح کر دیا، اسے چاہیے کہ وہ اس کے بدلے میں دوسرا جانور ذبح کرے۔'' (مسلم)

عیدالاضحیٰ کے موقع پر سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دیا جاسکتا ہے؟

قربانی کا گوشت معاشرے کے تمام غربا، مساکین، اور مستحق لوگوں کو دیا جاسکتا ہے، چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم کیونکہ غیر مسلم بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث میں جہاں بھی صدقہ وخیرات کی ترغیب دی گئی ہے، وہاں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

''وہ اپنے مال، اس کی محبت کے باوجود، قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور گردنیں چھڑانے یعنی (غلام آزاد) کرنے پر خرچ کرتے ہیں۔'' (۲: ۱۷۷)

جب ہم اس طرح کسی غیر مسلم کو اپنی خوشیوں میں شریک کریں گے تو ان کے دل میں قربانی کے فلسفے کو جاننے اور اسلام کے پیغام سمجھنے کی ترغیب پیدا ہوگی۔ اور یہ چیز اسلام کی طرف دعوت دینے کا محرک بھی بن سکتی ہے۔

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اگر قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بجائے اتنے ہی پیسے کسی غریب کو دے دیں تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اس بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ صدقہ وخیرات کے لیے پورا سال ہوتا ہے، جب بھی کوئی ضرورت مند ہمارے سامنے آئے، ہمیں اپنے حالات ووسائل کے مطابق اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اس کا اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے، قربانی تو درحقیقت حضرت ابراہیم کی سنت کی پیروی میں تجدید عہد ہے کہ ہم اپنے رب کی اطاعت اور تسلیم ورضا کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔

ـــــ کوکب شہزاد

دانش سرا کا پیغام

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

میں نے زندگی میں، اپنے والد سمیت بہت سے جنازوں کو کندھا دیا ہے، مگر کسی نے میری کمر اس طرح نہ توڑی جس طرح پچھلے دو جنازوں نے توڑ ڈالی۔ پہلا جنازہ چھ ماہ کی ایک معصوم بچی کا تھا۔ وہ زندہ میری گود میں آتی تو ایک پھول کی طرح بے وزن محسوس ہوتی۔ مگر جب میں مسجد سے باہر اس کا مردہ جسم اپنے ہاتھوں میں اٹھائے کھڑا تھا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا ایک پہاڑ ہے جس کے تحمل کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی گئی ہے۔ قبرستان کے سناٹے میں اس معصوم کے روتے ہوئے باپ کو دیکھ کر دل پھٹتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس نوجوان حافظِ قرآن کو کیسے تسلی دوں۔ اگر کوئی بیماری، کوئی ناگہانی آسمان سے آئی ہوتی تو صبر کی تاکید کرتا۔ اس بچی کو تو جاہل مسیحاؤں اور ان کی غفلت نے مارا تھا۔ صبح جس ہسپتال میں اسے حصول شفا کے لیے لے جایا گیا، وہاں کے قاتل مسیحاؤں نے ایک غلط انجکشن لگا کر اس معصوم کو اپنے ہاتھوں موت کے حوالے کر دیا تھا۔

ایسی ہی کچھ کیفیت میری اس وقت تھی جب چند دن بعد میں ایک اور قبرستان میں کھڑا تھا۔ میرے کندھے اس بیس سالہ نوجوان کے جنازے کو کندھا دینے کے بعد شل ہو چکے تھے، جسے اب قبر میں اتارا جا رہا تھا۔ وہ صبح سویرے اپنی بہن کو اسکوٹر پر کالج چھوڑنے گیا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ واپسی کا سفر موت کا سفر ہوگا۔ جب خدا و قانون سے بے خوف اور سڑک کے قواعد

سے جاہل و بے پروا ایک ویگن ڈرائیور نے اسے کچل ڈالا۔ وہ ڈرائیور بھاگ نکلا۔ میں جھلستی ہوئی دھوپ میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ ٹرانسپورٹ مافیا کے زیر پرستوں نے اسے ڈرائیونگ کے صرف دو آداب سکھائے ہوں گے۔ حادثہ سے پہلے گاڑی بھگایا کرو اور حادثے کے بعد خود بھاگ جایا کرو۔ ایسے میں اس نوجوان کے بھائی کی آسمان تک بلند چیخیں میرے کانوں میں پڑیں۔ میرا افسردہ وجود اور دکھی ہوگیا۔ وہ روتے روتے بے ہوش ہوگیا اور میں اوپر آسمان کو دیکھنے لگا۔ زمین پر دیکھنے کے لیے رکھا ہی کیا ہے بجز غربت و جہالت اور ان کے المناک نتائج کے۔

میں سوچتا ہوں کہ خدا نے مجھے لکھنے اور بولنے کی صلاحیت دی ہے۔ اس قوم میں نمایاں مقام حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ میں امریکا و روس اور یہود و ہنود کے ان مظالم کا پرچارک بن جاؤں جو وہ مسلمانوں پر ڈھا رہے ہیں۔ میرا قلم ان کے خلاف زہر اگلے اور میری زبان ان پر شعلے برسائے۔ میں کشمیر، فلسطین، افغانستان اور چیچنیا کے مسلمانوں کا مرثیہ لکھوں۔ مسلمانوں کا لہو گرماؤں، جذبۂ جہاد پیدا کروں اور شوقِ شہادت بیدار کروں۔ خطابت پسند اور جذبات گزیدہ اس قوم میں ایسی باتوں کی بڑی مانگ ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جس خدا نے قلم و بیان دیا ہے اسی نے مجھے فکر و نظر سے بھی نوازا ہے۔

یہ فکر و نظر بتاتا ہے کہ جتنے مظالم مسلمانوں پر غیر مسلم ڈھا رہے ہیں، اس سے کہیں زیادہ ستم مسلمانوں پر ان کے اپنے بھائیوں کے ہاتھوں ہو رہے ہیں۔ یہ قوم جتنی اپنے ہم قوموں کے ہاتھوں ستائی جا رہی ہے، اس کا عشرِ عشیر بھی غیروں نے نہیں کیا۔ جان، مال، عزت و آبرو جس طرح اپنے برباد کر رہے ہیں، اس کا کوئی حصہ بھی غیروں نے پامال نہیں کیا۔ کہیں ہوس زر میں اور کہیں ہوس اقتدار میں، کہیں جہالت سے مغلوب ہو کر اور کہیں غربت سے تنگ آ کر، کہیں اخلاق سے محرومی کی بنا پر اور کہیں دین سے ناواقفیت کے سبب، کہیں جان بوجھ کر اور کہیں انجانے میں۔

جان کا قصہ تو سن لیا۔ کرپشن زدہ معاشرے کے باسیوں کو مال کا قصہ سنانے کی ضرورت نہیں۔ اب ان دونوں سے زیادہ قیمتی شے کی داستان سن لیں ـــــ آبرو ـــــ جس کی خاطر جان مال سب لٹا دیا جاتا ہے۔ عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمہ کے دن پر جاری ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق مملکت خداداد پاکستان میں ہر دو گھنٹے بعد ایک بیٹی بے آبرو کر دی جاتی ہے۔ یاد رہے یہ اس معاشرے کا بیان ہے جہاں جان و مال لٹ جانے کا سانحہ تو رپورٹ ہو جاتا ہے، مگر آبرو لٹنے کا معاملہ پولیس کچہری تو کجا ہم دردوں تک بھی لے جانے کا رواج نہیں۔ حقیقت کا بیان تو اس قدر بھیانک ہوگا کہ سوچ کر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ تاہم زیادہ بڑا سانحہ یہ ہے کہ اس گھناؤنے فعل کے ارتکاب کے لیے ہندو، یہودی، روسی یا امریکی باہر سے نہیں درآمد کیے جاتے۔ قوم کی یہ خدمت اپنے ہم قوم و ہم مذہب خود سرانجام دے رہے ہیں۔

اس قوم میں بڑے لیڈر اور دانش ور ہیں جو اخباری کاغذ کے مینار پر چڑھے قوم کو اذن جہاد دے رہے ہیں۔ وہ قوم کے جذبات کو دوسری اقوام کے خلاف مشتعل کر کے خود مقبولیت حاصل کرتے اور انتہائی قیمتی نوجوانوں کو 'ایمل کاسی' بنا دیتے ہیں۔ پھر یہ نوجوان تمام مسلمہ اخلاقی اور دینی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر قتل جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور آخر کار

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ان لوگوں کو اپنی دکان چمکانے کے لیے ایک اور شہید ہاتھ آ جاتا ہے۔

یہ لوگ نہیں بدلیں گے۔ ہم انھیں ان کے حال پر چھوڑتے ہیں۔ ہم اپنے جہاد کا رخ اس دشمن کی طرف کرتے ہیں جو ہمارے اندر سے ہمیں زیادہ بڑا نقصان پہنچا رہا ہے۔ یہ دشمن جہالت ہے، غربت ہے، اخلاقی اقدار سے غفلت ہے، صحیح دینی علم سے بے رغبتی ہے۔ ہر وہ شخص جسے خدا نے شعور کا ایک ذرہ بھی عطا کیا ہے، اس پر فرض ہے کہ وہ ہمارا ساتھ دے۔ اس طرح کہ وہ اپنے گھر، اپنے محلے، اپنے حلقے، اپنے دفتر اور ہر اس جگہ جہاں اس کی بات سنی جا سکتی ہے، وہ یہ پیغام پہنچائے کہ ہمارا دشمن ہمارے اپنے اندر ہے۔ ہمیں ہر سطح پر اس دشمن کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ جب ہم یہ کر لیں گے تو ہمارے بیرونی دشمن بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اور اس کے بغیر ہمارے دشمنوں کو ہمارا کچھ بگاڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنی صورت آپ بگاڑنے کے لیے بہت ہیں۔

یہ شعور و آگہی کا پیغام ہے۔ یہ عقل و دانش کا پیغام ہے۔ یہ ''دانش سرا'' کا پیغام ہے۔

ـــــ ریحان احمد یوسفی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کثرت اختلاف و اظہار اختلاف

جب میری شادی ہوئی تو مجھے اپنے سسرال والوں کے کچھ رواج اور ان کی کچھ عادتیں بہت پسند آئیں، البتہ کچھ طور طریقے میری مرضی کے مطابق نہ تھے۔ میں ان کے مقابلے میں اپنے گھر کی ریت کو بہتر سمجھتا تھا۔ میں نے سوچا کہ میں اپنے گھر والوں کے اچھے معمولات اور اپنے سسرال والوں کی پسندیدہ روشوں کا اختلاط کر کے بہتر طور طریقوں کو رواج دوں گا، لیکن ہائے افسوس کہ واقعات میری خواہشوں کے برعکس ہونے لگے۔ ہمارے گھر کے برے اطوار اور سسرال والوں کی بری رسومات میں میل ہوا اور ان کے اتحاد نے وہ گُھل کھیلا، وہ طوفان مچایا کہ اللہ پناہ! یوں امیدوں کا خاتمہ ہوا اور حسرتوں کا جنازہ نکلا۔

بالکل ایسے ہی دنیا میں ہر سو نا خوبیوں کے اتفاق اور نیکیوں کے بٹوارے کا منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ شیطان شیطان سے معانقہ کرتا ہے اور اہرمن اہرمن کو آواز دیتا ہے۔ بندگان خدا منتشر ہیں، ہر کوئی اپنی محدود دنیا میں مگن ہے۔ زاہد پری رخوں کے جھرمٹ سے گھبرا کر اپنے کنج میں جا بیٹھا اور یاد خدا میں مصروف ہو گیا، عالم نے عبا پہنا اور اپنی سحر بیانی سے لوگوں کا دل موہنے لگا، قاضی نے کتابوں کا پلندا اٹھایا، دفتر سجایا اور ظاہری الفاظ کو فیصلوں کا روپ دینے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ سب الگ الگ گروہ بن گئے اور ان کی نمایاں خوبیاں ان کی چھاپ بن گئیں۔ یہ اپنے اپنے شعبے کو پورا دین سمجھنے لگے اور دوسرے شعبے کے

افراد کو کج روشمار کرنے لگے۔ صدیاں بیتیں اور جتنے شعبے تھے اتنے فرقے وجود میں آ گئے۔ یہ باہم برسر پیکار ہوئے اور کبھی تکفیر کا بازار گرم ہوا۔

اصلاحی تحریکوں نے اس انتشار کو مزید نمایاں کیا۔ ایک تحریک کی بنیاد توحید باری تعالیٰ کے پرچار پر تھی۔ اس نے بجا طور پر شرک کا رد کیا، لیکن اس کی تطہیری مہم کئی مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لیتی گئی یہاں تک کہ بڑے بڑے علما کی تحریروں میں سے مشرکانہ رنگ نکال کر دکھا دیا گیا۔ یہ اکابر گزر چکے تھے، ہمارے لیے ممکن نہ تھا کہ خود ان کو اپنی صفائی کا موقع دیتے۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ کارپردازان اصلاح اور ان بزرگوں کے پیروکاروں میں ٹھن گئی، فتووں اور الزامات کی ایسی گرد اٹھی کہ اصلاح عقائد کا مقصد غبار آلود ہو گیا۔ دوسری تحریک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا فروغ دینا اپنا نیک مقصد بنایا، لیکن نجانے کیوں غیر مصدقہ واقعات اور چند نیک افراد کے خواب سنا کر یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ پھر یہ عاشقان رسول، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دوئی مٹانے کے درپے ہو گئے۔ ایسا ہو نہ سکتا تھا، لہٰذا موحدین اور عاشقین میں معرکہ آرائی ہوئی، کئی مناظرے ہوئے اور جنگ وجدال تک نوبت پہنچی۔ ہر فریق نے اپنے موقف کو زبردست دلائل سے مضبوط کیا اور مد مقابل کو مشرک و کافر یا گستاخ رسول ثابت کر دیا۔ یوں رخ اللہ اور نبی کا مقام متعین کرنے کی طرف پھر گیا اور محبت رسول کا مقصد فروگزاشت ہو گیا۔ ان کے بعد وحدت امت کا پرچار کرنے والے آئے۔ ان کا طریقہ تھا، اپنے موقف کو چھوڑو نہ دوسرے کو برا بھلا کہو۔ اسے زیادہ سے زیادہ ایک طرح کی جنگ بندی کہا جا سکتا ہے، اختلاف کی خلیج پھر بھی نہ پاٹی جا سکی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کیا ایسا نہ ہونا ممکن تھا؟ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اختلافات صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانے ہی میں پیدا ہو چکے تھے۔ ان اختلافات کی وجہ سے صفین اور جمل نامی جنگیں بھی ہوئیں۔ بعد کے زمانوں میں اقتدار کے خانوادوں میں کشمکش اقتدار رہی، فقہی مسالک کے حاملین میں دلائل و الزامات کا تبادلہ ہوا اور اہل سجادہ بھی ثمرات اختلاف سمیٹنے میں مصروف رہے۔ اور آج کا دور تو تفرق و انتشار میں بازی لے گیا ہے۔ ایک فرقے سے کئی فرقے پیدا ہوئے، ہر جماعت کئی گروپوں میں بٹی اور ہر تحریک نے کئی تحریکوں کو جنم دیا ہے۔

دیکھنا چاہیے، اختلاف پیدا کیسے ہوتا ہے؟ انسانی نفس دوسروں کی برائیوں کی کھوج میں رہتا ہے۔ اس کا یہ شغف اچھائیوں کے ملنے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ آس پاس کے لوگ بھی برائیوں کی طرف توجہ دلانے میں لگے رہتے ہیں، اس طرح نیکیوں کا ملنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر ہر آدمی کی پسند مختلف ہوتی ہے، یہ اختلاف مزاج بھی اشیا کی اہمیت و نااہمیت میں فرق ڈال دیتا ہے۔ کبھی انسان غلط فہمی سے کسی مسئلے کو وہ اہمیت دے دیتا ہے جو اس کی ہوتی نہیں، یوں افراط و تفریط کے شاہکار وجود میں آتے ہیں۔ اور آج کے دور کے پیشواؤں نے اپنے پیرووں کو یک رخا کر کے اختلاف کی دراڑیں بہت گہری کر دی ہیں۔ ''اختلاف امت باعث رحمت ہے'' کسی کا مقولہ ہے جسے عام طور پر حدیث نبوی سمجھا جاتا ہے۔ البتہ یہ قول بھی ایک معنی رکھتا

ہے، اختلافِ آرا سے سوچ کے دائرے وسعت اختیار کرتے ہیں اور کسی مسئلے کی گوناگوں صورتیں سامنے آجاتی ہیں۔ یہ اختلاف روا رکھا جا سکتا ہے اور مسائل کی تنقیح و تخریج کے لیے اسے فروغ دیا جا سکتا ہے۔

انبیا علیہم السلام نے جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو یہ ان کا اپنی قوم سے اظہار اختلاف ہی تھا۔ ان کے طریقۂ اختلاف کا مطالعہ کرنے اور اپنی زندگی میں اس پر عمل کرنے سے اختلاف کی مضرتوں سے بچا جا سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو بڑے پیار سے 'یٰٓاَبَتِ' (اے ابا جان) کہہ کر پکارا اور پھر فرمایا کہ: ''آپ شیطان کی بندگی نہ کیجیے۔ وہ تو خداے رحمان کا پکا نافرمان ہے۔'' ان کے باپ نے دھمکی دی: ''ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تمھیں سنگ سار کر چھوڑوں گا۔'' آپ سلام کر کے رخصت ہو گئے، ساتھ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنے کا وعدہ کیا۔ جب آپ نے حسب وعدہ دعاے استغفار کی تو اللہ کی جانب سے انھیں روک دیا گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ''مجھے تمھارے اوپر ایک کڑے دن عذاب آنے کا خطرہ ہے۔ آپ کی قوم کے لیڈروں نے جواب دیا، ہمارا خیال ہے کہ آپ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔'' حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعوت جاری رکھی اور 'وَاَنْصَحُ لَکُمْ' (میں تمھاری خیرخواہی کر رہا ہوں) کے الفاظ فرما کر اپنی بے غرضی ظاہر کی۔

یہی معاملہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہوا۔ جب آپ کی قوم نے کہا: ''ہمارا خیال ہے کہ آپ حماقت میں مبتلا ہیں اور ہم آپ کو جھوٹے لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔'' حضرت ہود علیہ السلام نے اپنے رسول ہونے کا بیان کیا اور فرمایا: 'وَاَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ' (میں تمھارا خیر خواہ ہوں اور تمھیں امانت داری سے نصیحت کر رہا ہوں)۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر زلزلے کا عذاب آیا اور آپ کی دعوت کا اختتام یوں ہوا: 'وَنَصَحْتُ لَکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ' (اے میری قوم! میں نے تو تمھاری خیر خواہی کی تھی، لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہ کرتے تھے)۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا: ''کہہ دو، میں اس (فریضۂ انذار و بشارت ادا کرنے) پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، پس محبت قرابت کا حق ہے جو ادا کر رہا ہوں۔''

تمام انبیا علیہم السلام کو دعوت کا آغاز اپنے خاندان اور قبیلے سے کرنے کا حکم ہوا۔ اسی اصول پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا: ''اپنے قریبی خاندان والوں کو خبردار کرو' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر چڑھ کر پکارنے لگے: ''اے بنو فہر! اے بنو عدی میں تمھیں ایک سخت عذاب سے پہلے خبردار کرنے آیا ہوں۔'' آپ نے اپنے جد عبد مناف کی اولاد، اپنے چچیرے عباس بن عبد المطلب، اپنی پھوپھی صفیہ اور اپنی بیٹی فاطمہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اپنا آپ بچا لو، میں اللہ کے ہاں تمھارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔''

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

ان نفوس قدسیہ نے خدائی رہنمائی کے تحت سچی خیر خواہی کے ساتھ اختلاف کیا، لیکن ان کے مخاطبین نے اسے ذاتی مخاصمت پر محمول کیا۔ انھوں نے اللہ کے رسولوں کے مدمقابل کی حیثیت اختیار کرلی۔ اس طرح وہ اختلاف پیدا ہوا جو حل نہ ہو سکا اور اس نے ٹکراؤ (Clash) کی صورت اختیار کی۔ بالآخر اللہ کے فیصلے کے مطابق رسول کامیاب ہوئے اور ان کے منکرین اپنے انجام کو پہنچے۔

انبیا علیہم السلام کی دعوت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کرنے والے کو اپنے موقف کا صحیح پتا اور اس پر پختہ یقین ہونا چاہیے۔ اسے حقائق کا صحیح علم حاصل ہونا چاہیے تاکہ اس کا علمی مغالطوں میں الجھنے کا امکان کم ہو۔ اسے اپنے مخاطب سے رنجش نہ ہو، بلکہ وہ اس کا سچا خیر خواہ ہو۔ وہ طرح طرح کے دل نشیں طریقوں سے اپنے اختلاف کو پیش کرے اور اپنے مخاطب کے دل میں گھر کرنے کی کوشش کرے۔ اختلاف برائے اختلاف کبھی اچھا اثر نہیں چھوڑتا اور ہمیشہ جھگڑے کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے، ہمیشہ نزاعی نکتے سے بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ کوشش کرنی چاہیے، ایک متفقہ اصل سے بات شروع ہو اور پھر مختلف فیہ فرع تک آیا جائے۔ اختلاف کرنے والے کے سامنے ایک واضح مقصد ہو، تبھی اس کا اختلاف کارگر ہو گا۔ وہ دوسروں کی برائیوں کو نہ کریدے۔ خود بھی دوسروں کی اچھائیوں پر دھیان دے اور دوسروں کی توجہ بھی انھی کی طرف دلائے۔ وہ اختلاف مزاج کو حق کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دے۔ یہ چند نکات ہیں جنھیں ملحوظ رکھ کر اختلاف کو نتیجہ خیز بنایا جا سکتا ہے۔

——— محمد وسیم اختر مفتی

ایمل کاسی کے قاتل

۱۴ نومبر ۲۰۰۲ کو سی آئی اے کے دو اہل کاروں کے قتل کے جرم کی پاداش میں ایمل کاسی کو امریکا کی ریاست ورجینیا کی جیل میں موت کی سزا دے دی گئی۔

کوئٹہ کا ایمل کاسی سیدھا سادھا نوجوان اور سادہ دل مسلمان تھا۔ وہ کوئی بنیاد پرست نہ تھا۔ اس نے نہ کسی دینی مدرسے میں تعلیم پائی، نہ وہ کسی جہادی تنظیم میں شامل ہوا اور نہ اسے جیتے جی کبھی کسی جنگی تربیتی کیمپ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس کے باوجود اس نے دو بے گناہ آدمیوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ اس حادثے کے بعد سے لے کر موت کی دہلیز تک اس نے نہ کبھی اپنے جرم کے اعتراف میں بخل سے کام لیا اور نہ اس پر ندامت کا اظہار کیا۔ ایمل نے اس دوہرے قتل کی وجہ ان الفاظ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں بیان کی:

’’مجھے ہلاک ہونے والوں کے لواحقین کے دکھ کا اندازہ ہے۔ مجھے انھیں مار کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ میرا نشانہ کوئی فرد نہیں، امریکی حکومت تھی۔ میں اسے بتانا چاہتا تھا کہ اس کے سی آئی اے کے ملازم خود امریکا میں بھی نشانہ بن سکتے ہیں۔ میرا ردعمل مشرق وسطیٰ میں امریکی پالیسیوں کے خلاف تھا۔‘‘

اس کے بیان سے بالبداہت واضح ہے کہ امریکا کی پالیسیوں کے خلاف ردعمل کے نتیجے میں اس نے یہ قتل کیے ہیں۔ ہمارے ہاں کسی شخص کے مباح الدم ہونے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ مسلمان نہ ہو۔ یہ چیز قرآن مجید کی صریح نصوص اور دین کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس نے کسی کو قتل کیا بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا ملک میں فساد برپا کیا ہو تو اس نے سب کو قتل کیا اور جس نے اس کو بچایا گویا سب کو بچایا۔

نہ جانے کتنے ایمل کاسی ہر روز دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں اسی طرح موت سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ اور ہم مارنے والوں کو ظالم اور اپنے ایمل کاسیوں کو شہید قرار دے کر نئی ماؤں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں جو اغیار کے مقتل میں تازہ خون سے قوس قزح کے رنگ بھرنے کے لیے اپنے جگر گوشوں کو دشمنوں کی قربان گاہ میں بھیجنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اور وہ اگر اس کے لیے رضامند نہ بھی ہوں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ہم دنیا میں جان رایگاں کی ادنیٰ سی قربانی کے عوض آخرت میں جنت کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ نوجوان اپنی بوڑھی ماؤں کو بے سہارا، اپنی ناتواں بہنوں کو بے بس اور اپنے معصوم بیوی بچوں کو بے یارومددگار چھوڑ کر ہماری بنائی ہوئی خیالی جنت کو خدا کی جنت سمجھ کر دیوانہ وار اس کی طرف لپکتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ خدا کے بندوں کے جتنے حقوق ہم نے پامال کیے ہیں، خدا اس عظیم قربانی کے عوض انھیں نہ صرف معاف کر دے گا، بلکہ شاباش دے گا کہ تمھارا یہ اقدام اگرچہ دین کے احکام اور شریعت کے تقاضوں کے خلاف تھا، مگر تم نے چونکہ بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے، اس لیے تمھاری ساری بے ضابطگیاں اور بے اصولیاں معاف کی جاتی ہیں اور اب تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔

پانچ سال تک امریکی جیلوں کی سختیاں جھیلنے کے بعد ایمل کاسی کو زہر کے تین ٹیکوں کے ذریعے سے موت کی وادی میں دھکیل دیا گیا۔ اسے موت کی سزا بظاہر امریکا نے دی، مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کی موت کے پروانے پر دستخط کرنے والے اصلاً ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے دین کا جو تصور اپنی نوجوان نسل کو دیا، اس کے مطابق ایمل کاسی کو وہی کرنا چاہیے تھا جو اس نے کیا۔ اور اس کا جو انجام ہوا، ہم نے اسی کے لیے اسے تیار کیا تھا۔ ہم نے اسے یہی بتایا تھا کہ کافر کو اس کی معصومیت اور بے گناہی کے باوجود قتل کرنا نہ صرف جائز، بلکہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ ایمل جب ہمارے تصور دین کے مطابق دو کافروں کو جہنم واصل کرنے کے بعد کامیابی سے دیار غیر سے فرار ہو کر اپنے وطن پاکستان پہنچ گیا تو ہم نے اسے بیس لاکھ ڈالروں کے عوض ڈیرہ غازی خان کے ایک ہوٹل سے گرفتار کرایا اور مقتول کے ورثا کے حوالے کر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دیا۔اور جب قاتل کے لیے اولیاے مقتول کا فیصلہ امریکا کی حکومت نے نافذ کر دیا تو ہم نے ظالم امریکا کے جرائم کی فہرست میں ایک اور جرم کا اندراج کر کے اپنے شہید کو خراج تحسین پیش کیا اور اس کی لاش کو امریکا کی ناپاک زمین سے لا کر اپنے وطن کی پاک سرزمین کی لحد میں اتار دیا۔

——— محمد اسلم نجمی

بسنت

ہر سال موسم بہار شروع ہوتے ہی بسنت کا تہوار منایا جاتا ہے۔اس کے پس منظر میں یہ سوچ ہوتی ہے کہ سردی کے موسم سے ٹھٹھرتی ہوئی زندگی کو قرار مل گیا ہے۔ بے لباس درختوں نے سبزے اور رنگوں کا پہناوا اوڑھ لیا ہے۔سرسوں کے پیلے پھول اپنی خوش نمائی کے جلوے دکھا رہے ہیں،لیکن ہمارے ہاں اس تہوار کو منانے کی روایت منفرد ہے۔مہینوں پہلے اس کی تیاری کے لیے تیز ڈوروں اور پتنگوں کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ فائیو اسٹار ہوٹل سیاحوں اور دور دراز سے آئے ہوئے مہمانوں سے بھر جاتے ہیں۔ان کی چھتیں پتنگ بازوں کی اڑان،موسیقی،نعرے بازی اور فائرنگ کے لیے سجائی جاتی ہیں۔قطع نظر اس کے کہ یہ تہوار ہندووانہ ہے یا موسمی؛ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کیا کسی بھی قوم کے لیے اس طریقے سے کوئی تہوار منانا باوقار اور شایستہ بات ہے؟ کیا کوئی باذوق اور مہذب انسان اس طرح کی نعرہ بازی اور فائرنگ کو اپنی خوشی کے اظہار کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔

اسلام نے ہر خوشی اور تہوار کے موقع پر غریبوں اور ضرورت مندوں کو شریک کرنے کی تلقین کی ہے،لیکن اس تہوار میں شریک ہونے کے لیے غربا کبھی چھتوں سے گرتے ہیں اور کبھی پتنگ لوٹنے کے لیے گاڑیوں کے نیچے کچلے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ موٹر سائیکل اور سائیکل پر سفر کرنے والوں اور پیدل چلنے والوں کی گردنیں تیز ڈور سے زخمی ہو جاتی ہیں۔

اس تہوار کو منانے کے لیے ایک بڑا منطقی استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ اس سے ہزاروں لوگوں کو معاشی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ بے روزگاروں کو روزگار ملتا ہے،لیکن اس پر غور کیوں نہیں کیا جاتا کہ اس دن کتنی ماؤں کی گود ویران ہوتی ہے اور کتنی عورتوں کا سہاگ اجڑتا ہے؟

عرب جاہلیت کی سوسائٹی میں جوئے اور شراب کا بہت رواج تھا،جب شمال کی ٹھنڈی ہوائیں چلتیں اور ملک میں قحط کی حالت پیدا ہوتی تو عرب کے سخی اور فیاض لوگ مختلف جگہوں پر اپنے حلقے بناتے،خوب شراب پیتے اور پھر شراب کی مدہوشی

میں جس کسی کے اونٹ یا اونٹنی کو چاہتے ذبح کرتے، پھر اس کے مالک کو منہ مانگے دام دیتے اور اس کے گوشت پر جوا کھیلتے۔ ہر شخص جتنا گوشت جیتتا، وہ اسے غریبوں اور ضرورت مندوں میں بانٹ دیتا۔

مولانا امین احسن اصلاحی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جوئے اور شراب کا یہ پہلو تھا جس کی وجہ سے عرب جاہلیت کی سوسائٹی میں ان کا شمار فیاضی اور سخاوت کے خصائص اور خدمت خلق اور ہمدردیِ غربا کے محرکات میں سے ہوتا تھا۔ چنانچہ جب قرآن نے انفاق اور ہمدردیِ غربا پر بہت زور دیا تو بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جب اسلام غریبوں اور یتیموں کی ہمدردی اور ان کی امداد کے لیے مال خرچ کرنے پر اتنا زور دیتا ہے تو آخر جوئے اور شراب میں کیا خرابی ہے جو قحط کے زمانے میں غربا کی امداد کا ذریعہ بنتے ہیں۔ قرآن نے ان کے سوال کا جواب دیا:

''وہ شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہہ دو ان دونوں چیزوں کے اندر بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں، لیکن ان کا نقصان ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔'' (البقرہ ۲:۲۱۹)

یعنی اس میں شبہ نہیں کہ ان چیزوں سے سوسائٹی کو بعض اعتبارات سے کچھ فائدے تو ضرور پہنچ جاتے ہیں، لیکن ان سے فرد اور سماج، دونوں کو جو مادی اور اخلاقی نقصانات پہنچتے ہیں، وہ ان کے فوائد کی نسبت سے بہت زیادہ ہیں۔ اس وجہ سے اسلام نے انھیں حرام قرار دیا۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۰۵)

کیا ہم عالم کے پروردگار کی اس ابدی ہدایت کی روشنی میں بسنت جیسے تہوار کا جائزہ لینے کے لیے تیار ہیں جس کے نقصانات اس کے فائدے سے بڑھ کر ہیں۔

—— کوکب شہزاد

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یاددہانی

ہم لوگ اپنے مسلمان ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ دلوں کے سکون کے لیے قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ ہم میں سے اکثر لوگ نماز و روزہ کے پابند ہیں، لیکن اگر اپنے اندر جھانک کر دیکھیں تو ہمارا روحانی وجود اتنا مطمئن اور پرسکون نہیں جتنا کہ ایک بندۂ مومن کا ہونا چاہیے۔ یہ بے چینی اور اضطراب کیا ہے۔ ہر وقت کچھ کھو جانے کا اندیشہ کیوں ہے۔ رمضان کے مہینے میں جب انسان کو اپنا تزکیہ کرنے اور اپنے رب سے قریب ہونے کے بہت سے مواقع ملتے ہیں تو مجھے بھی اس نفسیاتی الجھن پر غور کرنے کا موقع ملا اور میں اس نتیجے پر پہنچی کہ ہم کہتے تو ہیں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں، لیکن ہم عبودیت کا

حق ادا نہیں کرتے، ہم نعمت ملنے پر شکر کے الفاظ تو ادا کرتے ہیں، لیکن اس نعمت پر اپنا ہی استحقاق سمجھتے ہیں اور دل میں اس نعمت کو اپنی صلاحیت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

ہم کہتے تو ہیں کہ یہ دنیا آزمایش کی جگہ ہے، لیکن کبھی زندگی کو آزمایش نہیں سمجھتے۔ دنیوی کامیابیوں کے حصول میں اس قدر مشغول ہوتے ہیں کہ آخرت ایک تصوراتی چیز بن کر رہ جاتی ہے، دنیوی فائدے کے لیے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے پر تیار ہوتے ہیں، لیکن آخرت کی کامیابی کے لیے تھوڑا سا بھی نقصان برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ دنیوی حرص و ہوس اپنی ذات کی حد تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ اتنا مال ہو کہ ہمارے بعد ہماری اولاد اور پھر کئی نسل تک جمع کر لیں۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ اس دنیوی زندگی میں صرف اللہ کے بندے بن کر رہیں۔ اس کی پسند کے رنگ میں رنگے جائیں اپنی ذات پر اپنے رب کے کنٹرول کو اتنا مضبوط کر لیں کہ وہ جہاں روکے وہاں رک جائیں اور جہاں چلائے وہاں چل پڑیں اور ’راضیة مرضیة‘ کے اس مقام کو پا لیں جہاں کچھ اور پانے کی تمنا نہ رہے، اپنے بچوں کے لیے دنیوی کامیابیوں کی دعا ضرور کریں، لیکن اصل پیش نظر ان کی آخرت کی کامیابی ہو ’فلیتنافس المتنافسون‘ کا میدان یہ دنیا نہیں، بلکہ آخرت ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے اپنا مال صدقہ و خیرات کر کے آگے بھیج دیا، جو وارثوں کے لیے چھوڑا اس میں اس کا کچھ نہیں۔“

کوشش کریں کہ آخرت میں وہ موقع نہ آئے جب یہ کہا جائے گا:

”مجرم تمنا کرے گا کہ کاش! اس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنے بیٹوں، اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے اس کنبہ کو جو اس کی پناہ رہا ہے اور تمام اہل زمین کو فدیہ میں دے کر اپنے کو بچا لے۔“ (المعارج ۷۰: ۱۱-۱۴)

ـــــــ کوکب شہزاد

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org